کندن



کومل ذیشان

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کندن ایک پریم کتھا

کومل ذیشان

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول " کندن " کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ Paksociety.com محفوظ ہیں۔
کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت، سکرین شارٹ لیکر فیس بک پر لگانے یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ وڈرامائی تشکیل وناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com
https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

نوٹ: کندن پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

قسط نمبر 1

وہ اِندرا تھی بارش کی بوندیں جس کی ملکیت میں تھیں، سُندرا۔۔۔دیوتا کا تحفہ، کالِکا تھی موت کے حُسن جیسی حَسین۔۔۔وہ اس کی موت تھی وہ جانتا تھا مگر سوچتا نہیں تھا سوچ کے آگے عشق کے پہرے تھے۔وہ جو نہیں جانتا تھا وہ یہ کہ اس کی موت اسے بچانا چاہتی تھی۔۔۔بچا گئی تھی۔

قلم سیاہ روشنائی میں ڈوبا ہوا
قہوہ پیالی میں آدھا پڑا ہوا
تلخ اک خوشبو کمرے میں چکراتی ہوئی
اور شمع کی بجھتی لو پروانے کو بچاتی ہوئی

سیاہ پردے پر سفید کنول کا عکس تھا مدھم مدھم،اس کے سیاہ بال اس بیک گراؤنڈ میں گم ہو جاتے تھے پھر دکھتے تھے سنہری روشنیوں میں اس کے کومل عارض، ستواں ناک پر ٹانکی نتھ، کانوں میں ڈالی سنہری زنجیری، بندیا۔ سانولا سندر چہرا بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے سجا جو ان پلوں میں بند تھیں اور وہ انہیں تکتا تھا بھلا بند آنکھوں کو کون تکے۔۔۔وہ جو جوگ لے لے وہ ہی۔اس کا زرد بنارسی شلوار قمیض ،

سرخ قالین پر اس کی چوکڑی، ہاتھ میں ستار اور ستار کی تاروں پر اس کی پلاسٹک کیپس میں انگلیاں وہ تاروں پر یوں چلتی تھیں جیسے ہوا کے نرم رعشے پانی پر لہریں پیدا کرتے ہیں اپسرا میگھ ملہار چھیڑ بیٹھی تھی اور مینکا رقص میں تھی۔ لاجورد جوڑے میں ملبوس اس کے پاؤں گنگھروں سمیت زمین پر پڑتے راگ کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ سر پر سفید کلیاں اور چاندی کا چکرا، آنکھوں کا دھاری دھار سرمہ تمہیں کسی اور طرف کیسے دیکھنے دیتا مگر جہاں کندن ہو وہاں مینکا کو کون دیکھے ۔۔۔ دیکھے بھی تو کن انکھیوں سے کندن کو دیکھے۔ اس نے جب جب اسے دیکھا تھا اسے لگا تھا وہ زمین کی نہیں کوئی دیوی ہے۔ جب وہ راگ چھیڑتی تھی اس کی روح رقص میں آجاتی تھی۔۔۔ وہ پاروتی تھی اس کی پاروتی۔ وہ کہاں ایک کٹر مسلمان خاندان کا کہاں مبتلائے غم ہوا تھا کہ اب نکلنے کی راہ سجھائی نہ دیتی تھی۔

وہ نور کی لہریں ہیں جو جسموں کو دھوتی ہیں انہیں کنارے دیتی ہیں۔۔۔ وہ نور کی لہریں ہیں۔۔۔ پاروتی رقص کرتی ہے۔۔۔ پاروتی مبتلائے غم نہیں۔۔۔ پاروتی خوشی میں رقص کرتی ہے، زندگی کا رقص۔

"سنا ہے بھارت میں تمہارے علاقے میں باڑ آئی ہے، تمہارا گاؤں ڈوب گیا ہے۔" وہ گجرات، سورت کی بات کر رہا تھا۔

"آج کون سا راگ چھیڑو گی؟"

"امید کا راگ۔۔۔ جب سب کھو جائے تب بھی کچھ نہ کچھ باقی بچتا ہے جس سے نئی شروعات ہو جاتی ہے۔ دیکھو گھر ڈوبے ہیں لیکن ایک کمزور لڑکی ایک پالتو کتے کے ساتھ بچ گئی ہے۔ وہ لکڑی کے ایک تختے پر کھڑی بچنے والوں کو پکارتی ہے۔۔۔ اس کے ہاتھ میں ایک بانس ہے جس کے آگے زرد پھولوں کا گچھا ہے۔۔۔ وہ پکارتی ہے اگر کوئی زندہ ہے تو مجھے صدا دو میں آتی ہوں۔۔۔ ہم پھر سے ایک جہان شروع کریں گے۔"

https://paksociety.com https://paksociety.com

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

" جیسے ریڑھ کی ہڈی کے آخری حصے سے قیامت میں انسان اگیں گے۔"وہ بے خودی میں بولا تھا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔۔۔ "

"ہاں تمہیں کیسے معلوم ہو گا تم لوگ تو جلا دیتے ہو۔"

"تو کیا تم دفنا نہیں دیتے؟ "

تو وہ کالِکا تھی۔۔۔ وہ حقیقت میں کلی تھی۔وہ سر سوتی تھی علم کی لو والا دل لیے، حکمت کی دیوی اس میں آسن جمائے بیٹھی تھی۔وہ ستار کے کسی سر سے پیدا کی گئی تھی، وہ فن کی رکشک تھی۔اس پل کندن پر صرف عمر کی ہی نہیں ہال میں بیٹھے ہر شخص کی نظریں گڑی تھیں بس فرق یہ تھا وہ سب اس کے ہم مذہب تھے۔آج دیوالی کی رات تھی صحرائے عرب میں دیوالی کی رات۔

اگلا راگ سفر اور غم کی کتھا تھا اور مینکا ناچتی تھی۔اڑیسی آٹھ قدیم رقصوں میں سے ایک ہے، اڑیسہ کے قدیم غاروں میں بنے نقوش اس کی گواہی ہیں۔جو مشرقی ہند کے شہر اڑیسہ کے مندروں کی یادگار تھا جب دیوی دیوتاؤں کے سامنے رقص کیا جاتا تھا. جس میں کتھا سنائی جاتی تھی منقبت اور روشنی کے پیغام ہوتے تھے، علامتی لباس کے ذریعے، رقص کے ذریعے،ابھینے (چہرے کے تاثرات) کے ذریعے، مدرا (علامتی اشارے)۔۔۔ہاتھ، سر، کمر اور پاؤں کیسے راگ کے ساتھ ملتے تھے۔ نرِتا، جس میں رقص تھا بس، نرِتیا جس میں ابھینے تھا اور ننتیا جس میں ابھینے کے ساتھ کتھا پیش کی جاتی تھی اور موکشا۔۔۔رقص کا نقطہ عروج روح کی آزادی۔اس وقت وہ سفر کی داستان سناتی تھی سمندری سفر کی داستان ساحل دور چمکتے نظر آتے ہیں اور جہاں جانا ہے وہ جنگل ہے جہاں مور ناچتے ہیں، کنول کھلتے ہیں، جگنو دکھتے ہیں۔مینکا رقص کرتی تھی کائنات کی دائمیت کا جشن مناتی تھی پہلے اس کے ہاتھ، پاؤں، سر اور آنکھیں بغیر کسی تاثر کے رقص کرتے تھے پھر اس میں خوشی غمی محبت کا تاثر پیدا ہوا وہ راگ اور رقص

کہانی سنا رہے تھے وہ بیٹھا ان کی کہانی سن رہا تھا۔ان دونوں نے پورے ہال کو اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔اس پل بس دو ہی سوروپ تھے۔۔۔کندن اور مینکا مگر یہ عمر کہاں سے آگیا تھا وہ بھٹک گیا ہے کسی نے سوچا تھا۔

آخر میں اس نے مون سون مانج کھماج راگ چھیڑا اب سٹیج پر وہ تنہا ہی تھی ستار کے ساتھ۔پانی کی بوندیں مٹی پر پڑتی تھیں مٹی کی مہک چاروں اور بکھرتی تھی اور وہ کچھ کہتی تھی۔۔۔وہ بھٹکا ہوا شخص اس کی ان کہی باتوں کو بھی سن لیتا تھا،اس نے اس سے مل کر جانا تھا خاموشی گفتگو کرتی ہے اور خدا کا پیغام کیا ہے اسے جاننے کے لیے تمہیں خاموشی کو سننا اور سمجھنا ہوگا۔لا محدود ہونا کیا ہے جس ہندسے تک بھی پہنچے وہ صفر سے قریب ہوتا ہے بہ نسبت اس آخری ہندسے کو جو کہ شاید نہیں ہے۔



"کیسا تھا؟" اگرچہ ہال کی تالیوں دوستوں کا پرجوش طریقے سے ہمیشہ کی طرح گلے لگانا سب اسے بتا رہا تھا مگر پھر بھی اس نے ایک جانب اسے کھڑے دیکھ اپنی نظروں میں بھرتے ہوئے انڈین میوزیکل سوسائیٹ کی سیکٹری سے جو اس کی بہترین دوست بھی تھی پوچھا تھا۔

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے تم تو اوتار ہو؟" اروشی کھلکھلائی تھی۔

"پھیملی کا نام روشن ہوگا تم سے۔" یہ مسز انوراگ تھیں ان کی یونیورسٹی میں پڑھاتی تھیں۔

"میں ڈراپ کر دوں؟" وہ پیچھے سے آیا تھا جانتا تھا جواب میں نہ ہوگی پھر بھی پوچھ رہا تھا پھر بھی پوچھتا تھا۔کل دیوالی ہے رام کے بن باس کی آخری رات ہے آج مگر اس رام کا بن باس کبھی ختم نہیں ہوگا وہ جانتی تھی۔

"ہاں۔" اسے حیرانی ہوئی۔

"گاڑی لائے ہو؟" وہ ہنسا۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com
https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

"نہیں تو۔۔۔"

"میں وہاں سے انسٹرومنٹس اور شاپر اٹھالوں۔" موسیقی کا سارا سامان ابھی سٹیج پر ہی پڑا تھا۔

اس نے تحفے میں دیے گئے مٹھائی کے ڈبے سٹیج کے پیچھے سمیٹنا شروع کیے۔

"اسے مردانگم کہتے ہیں۔" اس نے اس دو الگ الگ حجم کے سروں والے ڈھول پر ہلکا سا ہاتھ لگایا تھا ساز پیدا ہوا۔

یہ ساؤتھ انڈین کی سپیشیلیٹی ہے۔" وہ شاپرز سٹیج پر رکھتے ہوئے بولی ہال خالی ہوتا جا رہا تھا اس لیے آواز گونجتی تھی۔ چھت پر لگی روشنیاں آدھی سے زیادہ بجھی تھیں جس کی وجہ سے قالین اور مخملیں سرخ سیٹوں پر سائے اور کہیں کہیں روشنی کے دائرے تھے۔

"اور یہ؟" اس نے دو دھات سے بنی پلیٹوں کی طرف اشارا کیا۔

یہ منجیرا ہے۔۔۔اسے تال بھی بولتے ہیں۔"

پھر وہ سٹیج پر چڑھ آئی اور تان پورا دھیرے دھیرے بجانے لگی۔ وہ وجدان کا لمحہ تھا شاید۔

"یہ تان پورا ہے۔" وہ تھمی تمہیں نہیں لگتا کائنات کی آواز ایسی ہی ہو گی۔

وہ مسکرادیا۔



چاند سڑک پر یوں چمکتا تھا جیسے ابھی گر پڑے گا وہ گلف روڈ کی ویک اینڈ ٹریفک میں پھنس گئے تھے۔ سمندر نظر نہیں آتا تھا مگر ہونے کی گواہی دیتا تھا۔اور صحرا نمکین ٹھنڈک میں کیسا ہوتا ہے کبھی آؤ تمہیں چکھاؤں۔ وہ کھڑکی سے سر جوڑے یوں باہر دیکھتی تھی جیسے کسی ٹیکسی میں بیٹھی ہو ڈرائیور سے کوئی مطلب ہی نہ ہو۔

"آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔" وہ انجان لڑکا بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ آج اس کا پہلا دن تھا

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

یونیورسٹی میں، یونیورسٹی آف کویت، آئی ٹی سیکشن میں۔ پچیس طلبہ میں وہ اکیلی ہندنی تھی اس لیے کلاس میں بیٹھی سب کو اچھی بھی لگتی تھی کچھ الگ الگ سی۔ پھر اس کے ستار کے تو سب دل دلدادہ تھے۔ اکثر پارٹیز میں اس کو بمعہ ستار بلایا جاتا تھا۔ یہ فن ان کے خاندان میں صدیوں سے چلا آ رہا تھا اور جس انداز اور ذمے داری سے وہ اسے نبھا رہی تھی ایک دن سب کو اس پر فخر ہونا تھا یہ سبھی جانتے تھے۔ وہ کویت میں ہی پیدا ہوئی تھی انڈیا اس کے لیے صرف چھٹیوں کی سوغات تھی مگر جس طرح ہند اس کے اندر بسا تھا وہاں کے لوگوں میں بھی شاید اتنا نہیں تھا۔ اور وہ اس چلتے پھرتے ہندوستان کا دیوانہ تھا۔

"جی دیکھا ہے۔"

"کہاں؟" وہ پر جوش ہوا تھا۔

"ابھی پانچ منٹ پہلے، یہیں پر۔ "

۔"آئی واز سریس۔" وہ پہلے خاموش ہو گیا پھر ہنس دیا۔

"جب تم نہیں ہوا کرو گی تو کیا ہو گا۔۔" اس نے جانے کس خیال کے تحت اچانک پوچھا تھا۔

اس نے ماسٹرز کے لیے کلکتہ سکول آف میوزک میں اپلائی کیا ہوا تھا یہ ابا کی خواہش تھی وہ وہاں سے موسیقی سیکھے اسے بلا لیا گیا تھا مگر یہ بات ابھی اس نے کسی کو بتائی نہیں تھی۔

"تب بھی زندگی اتنی ہی خوبصورت ہو گی جتنی کہ اب ہے۔" اس نے باہر رینگتی ٹریفک سے دھیان ہٹا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اتنی ہی عام ہو گی جتنی کے اب ہے۔ تم عام سے بستر پر سو گے بہار کی رنگینیوں میں اٹھو گے اور کبھی ادھروں پر مسکان لیے سو گے اور صبح باغ میں گلاب کی سیاہ پتیاں بکھری ہوں گی۔ دنیا کبھی دلکش کبھی بے مزہ لگے گی۔"

"اور تم؟"

"اور میں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ "

"اور تم اور میں۔" وہ دونوں نمکین سی ہنسی ہنس دیے۔

"پر میں تمہیں جانتا ہوں کب سے۔" اس بار اس نے جواب نہیں دیا تھا ابا کو میسج کیا تھا وہ پہنچنے والی ہے۔

"اوپر آؤ۔"

"نہیں میں۔۔۔اوکے۔"

وہ ہنسی تھی۔

فلیٹ پانچویں منزل پر تھا عمر نے اس کا ستار اٹھار کھا تھا اور وہ ڈھیر سارے مٹھائی کے شاپر اٹھائے لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔ خوشبو خوشبو رات ہے، خوشبو خوشبو پل ہیں۔ اس نے اس ان کلی کو دیکھا تھا زمانوں سے دیکھ رہا تھا۔ اوپر دروازے کے باہر دیے جل رہے تھے۔ اس نے شاپرز کے شکنجے سے ہاتھ چھڑوا کر بیل کا بٹن دبایا تھا۔ تھری بیڈ روم فلیٹ تھا وہ اس کے والد، بھائی بھابی رہتے تھے۔ وہ پہلی بار اوپر آیا تھا۔ وہ دروازے پر ہی بھائی سے تعارف کرواتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے دیکھا باہر لاؤنج کے ایک کونے میں چھوٹا سا مندر بنا تھا۔ وہ وہاں ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ذرا سا جھکی اور اندر چلی گئی۔

کچھ دیر میں وہ سب کی کمپنی میں کافی پی رہا تھا کندن کے والد سے اپنے مستقبل کے وہ منصوبے شیئر کر رہا تھا جو اس نے خود سے بھی نہیں کیے تھے۔

"یہ بت ہیں۔" وہ اسے باہر چھوڑنے ساتھ آئی تھی مندر کے سامنے گزرتے وہ عادتاً ذرا سا جھکی تھی۔ اس کے احد احد کرتے دل میں گھبراہٹ کی لہر اٹھی تھی۔

"شرک تو تم بھی کر رہے ہو۔" وہ ہنسی۔ عجیب لڑکی تھی کسی بات کو خاطر میں ہی نہیں لاتی۔ چاند

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

آسمان پر اوپر کہیں سفر کر گیا تھا ساڑھے گیارہ کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے سائنٹفیک سینٹر کو نیلی روشنیوں میں ڈوبے دیکھا پھر بابل کی سحر زدہ کرتی عمارت گزری، پھر ایپل بیز، ریڈ چلیز کویت ٹاورز، اسے شرق جانا تھا۔



یوں لگتا تھا آسمان پر بادل سورج کی کرنوں سے سلے ہوں۔ افق اور سمندر کے درمیان کی لکیر غائب تھی سمجھ نہ آتی تھی کہ کہاں زمین ختم اور آسمان شروع ہو رہا ہے۔ سمندر آسمان کا ہم رنگ جس پر جھاگ کے جال پھیلے تھے عظیم وجد میں تھا۔ دور سے سفید پرندہ اڑان بھرتا آیا اور سمندر میں غوطہ زن ہوا تھا اسی اثنا میں سطح پر ایک چہرہ نمودار ہوا وہ تیرتے ہوئے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وقت سمندر ہے جو نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے، نہ رکتا ہے نہ گزرتا ہے، وہ ارتعاش میں ہے کسی ان دیکھے دائمی ہاتھ کی انگلیوں سے۔۔۔ وہ زمین کے نیچے ہے اور اوپر، دائیں اور بائیں۔ ہوا کے پرندے اس پر اٹکھیلیاں کرتے ہیں، چاند اسے اپنی اور کھینچتا ہے مگر وہ وہیں رہتا ہے، وہی رہتا ہے ہم اور ستارے لہروں کی طرح اس سمندر میں پیدا ہوتے ہیں معدوم ہو جاتے ہیں۔

سمندر کی لہریں اس کے گہرے سانولے پاؤں میں دم توڑتی تھیں، ریت کے سفید ذرے پنڈلیوں پر ہیروں کی طرح چمکتے تھے، بوسیدہ لباس، مٹیالی پڑتی سفید پگڑی سعد الکندری کے گہرے سانولے بلند قامت وجود پہ اس شان سے موجود تھی جیسے تخت وطاؤس پہ بیٹھے کسی بادشاہ کے سر پر لعل جڑا کوئی تاج سجا ہو۔ اس سے گفتگو کرنے والا اکثر محصور ہو جایا کرتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں سمندر سے اتنی مشابہت تھی کہ اکثر اس سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ٹوٹتی بنتی لہروں، ڈبکیاں لگاتے پرندوں اور چاند کے عکس نظر آتے تھے۔ ان کے دستے میں وہ سب سے گہرائی میں اترنے والا غوطہ خور تھا، پانیوں کے دل

میں اتر کر گھر چرا لانے والا غوطہ خور جس کی خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ جب ایک بار جو گیت چھیڑ دیتا تو ساری کشتی میں صرف اس کی آواز گونجتی، سمندر کی تانیں اس کے گیتوں کا ساتھ دیتی بکھرتیں اور وہ گھر سے دوری میں آزردہ بجھے چہرے عزم وہمت سے روشن ہونے لگتے۔

کپتان کی آمد سے قبل کشتی میں خوراک رکھی جارہی تھی روٹی، چاول، شہد، خشک کھجوریں اور میٹھا پانی وہ وہاں کھڑا یہ ساری کاروئی دیکھ رہا تھا۔ یہ جون کا وسط تھا وہ لوگ گھر سے ایک لمبے عرصے کے لیے بچھڑ رہے تھے کم از کم تین ماہ سے پہلے وہ نہیں لوٹ سکتے تھے کہ یہی ماہ موتی جمع کرنے کے ہوتے تھے۔ کپتان کے حکم کے ساتھ ہی اسے جت جانا تھا۔ آنکھوں میں ہجر کی نمی تھی کچھ دور بانسری کی تان جیسا وجود کسی راگ کی طرح ہوا میں بکھرا بکھرا سا اسے دکھتا تھا۔ صحرا کی ریت میں اس کے نقش پا ایسے بنتے تھے جیسے ہوا کے ریشمی جھونکے جن سے لہروں کے نقش ابھر آتے ہیں۔ یہ کیا بیت گیا تھا اس پر جس نے اس گرم ریت کے باسی کو برف میں بدل دیا تھا، جسے وہاں کی دھوپ پگھلا نہیں پارہی تھی۔ گھنٹے بھی جلتی ریت پر کھڑے کھڑے گزار دیتا تو پاؤں جلنے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ منہ میں ہر وقت نمکین پانی کا ذائقہ رہنے لگا تھا۔



"کیا کسی مر چکے انسان سے محبت ہو سکتی ہے؟ کیا محبت ہجر میں وجود قائم رکھ سکتی ہے؟ کیا محبت بن ہجر وجود قائم رکھ سکتی ہے؟" اس نے بیت اللہ جاتے قافلے میں ایک بوسیدہ گدڑی اٹھائے سبز چوغے میں درویش سے پوچھا تھا۔ وہ ویرانے میں بنے اس کے مٹی کے حجرے کے باہر پانی کی طلب میں آیا تھا۔

"ہو سکتی ہے اور قائم بھی رہ سکتی ہے بشرط کھوٹ نہ ہو۔۔۔ یہ تم پر تمہاری ذات کو، تمہاری نیکی اور بدی، تمہاری شرافت اور کمینگی، تمہارا نور اور آگ، تمہارے راز تم پر آشکار کرنے کے لیے تمہاری زندگی میں داخل ہوتی ہے۔ یہ دل سائیں کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جب جہاں چاہتا ہے اس کو موڑ

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

دیتا ہے۔"



"حییٰ۔"کپتان نے پتوار سنبھالتے ہی نعرہ بلند کیا سعد الکندری یکدم چونکا نمی آنکھ سے بہہ کر چہرے پر نمک کی صورت پھیل چکی تھی وہ بدو تھا فقط ایک غوطہ خور، صحراوں کا باسی جس کی کوئی شناخت نہیں تھی، جو ایک جگہ گھر بسا کر نہیں رہتے تھے اس کے خوابوں میں اس نے سرخ نیلے پرندے کی صورت پرواز شروع کی تھی، وہ صندل کی خوشبو تھی جسے اس نے اپنے پاس محفوظ کرنا تھا مگر۔۔۔ آنکھوں میں اس کا عکس لیے قدم اٹھاتا ساتھیوں کے ہجوم میں مل گیا جو مل کر کشتی کو پانی میں اتار رہے تھے۔حییٰ حییٰ نعرے لگاتے فجیری گاتے تھے آخر وہ رخ کو صحیح سمت میں کرنے میں کامیاب ہو گئے ،بادبان کھلتے ہی کشتی پانی پر بہنے لگی سورج کے چمکیلے عکس میں وہ گویا ایک سیاہ نقطہ تھی سفید بادبان پھڑ پھڑاتے تھے گانے والے کی خوش کن آواز جیسے سمندر سے دوستی کرتی تھی کہتی تھی ہم تمہارے ہی بیٹے ہیں تم سے ہی ہیں ہمارا وجود تمہارے نمک سے بنا ہے۔سارا دستہ خاموشی سے گیت سنتا ہلکا ہلکا جھومتا تھا ان کی منزل سمندر کا وہ حصہ تھی جہاں سے انہیں موتی نکالنے تھے۔

اس کی قامت اس کو آسمان تک بلند کرتی تھی اور دل میں پلتا غم زمین بوس کرتا تھا، چوڑے چوڑے ناخن جن پر ریت جھاڑنے کے باوجود ذرے موجود تھے کشتی کے رنگ کی طرح پھیکے، بوسیدہ ۔اور جو دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے سمندر ایک رنگ کا ہے مگر جو سفر کرتا ہے وہ جانتا ہے وہ بٹا ہوا ہے رنگوں میں ،اس کے اندر سرحدیں ،آبادیاں ہیں ،دشمنیاں نبھائی جاتی ہیں محبتیں پنپتی ہیں ،بغض رکھا جاتا ہے، قربانی دی جاتی ہے کشتی کے مخصوص جگہ پر پہنچتے ہی سعد الکندری نے رسی گھما کر جس کے سرے پر کوئی وزنی شے باندھی جاتی تھی سمندر میں پھینکی اس سے ان کا مقصد سمندر کی گہرائی کا اندازہ لگانا تھا، نیچے سمندر کی زمین پر صدف کی کھیتی موجود ہے بھی یا نہیں یہ جانچنا بھی شامل تھا جہاں میٹھے اور نمکین پانی ملتے

ہوں وہاں صدف رنگ سب سے خوبصورت ہوتے ہیں سب سے خوش رنگ ۔وہاں سمندر کی گہرائی تقریباً اٹھارہ فٹ تھی۔ کبھی کبھی یہ گہرائی تیس میٹر تک بھی ہوتی تھی۔زیادہ گہرائی میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے غوطہ خور اکثر چھل کا شکار ہوتے گہرے پانیوں میں جِنوں، عجیب الخلقت جانوروں کے نظر آنے کی شکایت کرتے۔

سب غوطہ خور کپتان کے حکم کے منتظر تیار کھڑے تھے کپتان کا حکم ملتے ہی سمندر میں چھلانگیں لگانے لگے ان کو ہر صورت اپنے ساتھیوں جتنے موتی ہی اکٹھے کرنے تھے زیادہ فرق ان کو کٹہرے میں کھڑا کر دیتا تھا۔سمندر کی سطح پر ان کا لمس ساز بن کر بکھرتا اور پھر وہ گہرائی میں اتر جاتے سارے جسم پر تیل پوتے، کانوں میں تیل میں بھیگی روئی ڈالے، ناک پر چٹکی لگائے جوان کے گلے میں ڈوری سے بندھی تھی۔ایک اور ڈوری پاؤں سے بندھی تھی جس کا دوسرا سرا اوپر چپو کے ساتھ بندھا ہوتا ۔سمندر کی تہہ تک جاتے اسی ایک سانس میں انہیں زیادہ سے زیادہ صدف اپنے گلے میں ڈالی کھجور کے پتوں سے بنی ٹوکری میں بھرنے تھے کم از کم بیس تو لازمی اگر کوئی قسمت کا دھنی ہوتا تو تبرہ بھی کبھی اسے مل جاتا تھا یعنی صدف کا گچھا۔

اور یہ کام چار سے پانچ منٹ میں مکمل کرنا تھا۔ دن میں کم سے کم چالیس غوطے لگانا ہوتے اور سو تک بھی لگائے جاتے تھے۔ سانس تھمنے لگتا تو رسی ہلا دی جاتی اوپر کھڑا مددگار رسی کھینچنے لگتا اور وہ سطح پر ابھر آتے ٹوکری مددگار کو پکڑائی جاتی جو اسے خالی کر کے انہیں واپس لوٹاتا اتنی دیر وہ سطح آب پر لہروں کی طرح بہتے وقت کی گونج سنتے، مہربان سورج کی تپش میں خود کو خالص ہوتا محسوس کرتے۔خدا نے ہر چیز بڑے نظم و ضبط سے پیدا کی ہے ہر چیز ایک خاص ردھم میں کام کرتی ہے، سو دنیا کے سارے فنون سارے پیشے اسی نظم و ضبط کے تحت وجود میں آتے ہیں مراد پاتے ہیں سعد الکندری نے غوطہ لگنے کے سُر کو ہمیشہ سمندر کی رگوں کو کاٹتے تہہ میں اترنے کی آواز سے ملتا پایا تھا، ہاتھوں سے سمندر کی ریتلی

https://paksociety.com

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

زمین پر صدف تلاشتے اور پھر انہیں ٹوکری میں بھرتے تان کا آدھا حصہ وجود میں آتا تھا پھر مخالف سمت میں سمندر کی سمت کا قانون توڑتے سطح پر ابھرتے پھر کسی دوست کی طرح ان لہروں پر سر رکھ کر دل سہلاتے تان مکمل ہو جاتی یہ عمل کشتی پر واپس آنے سے پہلے آٹھ، نو بار دہرایا جاتا تھا اور آٹھ نو تانیں اس کے اندر ایک گیت مکمل کر دیتیں۔

اس نے افق پر چمکتے سورج کو دیکھا جس کی کرنوں کا سایہ پانیوں پر ہلتا تھا گویا ہجر میں بھی وصل تھا ایک نمکین سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری آنکھوں کے پانیوں میں ایک عکس ابھرا وہ اسی کیفیت اس کی آنکھوں میں موجود اسی وحشت کا دیوانہ ہوا تھا۔اس نے اس عکس کو آنکھوں میں سموئے پانچ کلو وزنی پتھر باندھ کر چھلانگ لگائی۔اوپر گوّیے نے دھیمے دھیمے نیا گیت شروع کیا یہ یامال تھا جو پانیوں پر ہلکورے لیتے بحری بیڑوں پر گایا جاتا تھا۔اور وہ تہہ تک اترتا چلا گیا بغیر کسی جد وجہد کے وہ بھاری پتھر اسے تہہ میں لے آیا تھا۔اس سے پہلے تک تو اسے لگا وہ صرف سطح پر تیر رہا تھا اس نے وہ پوشیدہ مگر ہر بار کی طرح نیا راگ تخلیق میں آتے اپنے اندر کہیں محسوس کیا وہ صدف ٹوکری میں بھرنے لگا اچانک بدن پر تیز جلن کا احساس ہوا وہاں رخود (جیلی فش) کا غول تھا ان میں سے چند نے اپنے ڈنک بری طرح اس کے جسم میں پیوست کیے تھے راگ میں تبدیلی آئی تھی اک تیز تلخ سُر شامل ہوا تھا وہ رکا نہیں اپنا کام کرتا رہا دل کی پنہایوں میں راگ کی تخلیق ہوتی رہی اور بلا آخر جب ٹوکری بھر گئی تو اس نے پاؤں سے بندھی رسی ہلائی۔



اگلے دن چھری سے صدف کھول کر موتی نکالتے ہوئے اس نے دوست کی طرف دیکھا آج وہ کچھ زیادہ ہی مستعدی سے موتی نکالنے میں مگن تھا کہ بات نہ کرتا تھا۔سعد کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا پھر سر جھکا کر مصروف ہو گیا۔اس کی چھٹی حس نے اسے کچھ اشارا دیا تھا۔موتی نکالنے کا کام علی الصبح ہوتا تھا پھر

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

سارے موتی کپتان کے پاس جمع کروائے جاتے تھے۔ کپتان نے موتی ان سے لیکر لکڑی کے بکسے میں ڈالے اور انہیں پھر سے کام میں جُت جانے کا حکم دیا تھا۔اسی پل سعد اپنے اس جگری دوست کے پیچھے پیچھے کمرے تک گیا تھا جہاں ان کا سامان پڑا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر میں انہیں پھر موتی کی تلاش میں سمندر بردھونا تھا وہ پلیٹ میں چند کھجوریں لیکر عرشے پر جا بیٹھا تھا۔ فیصل بھی اس کے ساتھ آبیٹھا اس نے ہلکا سا مسکرا کر اس کو خوش آمدید کہا اور اس کے سر پر تھپکی دی تھی۔ وہ نو سال کا بچہ ابھی حال ہی میں یتیم ہوا تھا اپنے باپ کی جگہ ان کے دستے میں آ شامل ہوا تھا۔ وہ ابھی چھوٹے موٹے کام کر رہا تھا بارہ سال سے پہلے غوطہ لگانے کی اجازت نہیں تھی سو اب وہ کمانے کے لیے یہی کر سکتا تھا کیونکہ قرض کی ایک خطیر رقم اس نے وراثت میں پائی تھی۔



جنوری کی سویر تھی اور صحرائے عرب میں خلیج فارس پر اس ملک میں کہ جس کو کویت کہتے ہیں جنوری کی سویر کیسی ہوتی ہے نمکین لیموں جیسی ہلکی زرد، ساغر کی ٹھنڈی آبنوسی لہریں اور سورج کا حسن کہ چاند جل جائے، بادلوں کا بسیرا آسمان پر اور سائبیریا سے آئے مہاجر پرندے سمندر میں ڈبکیاں لگاتے تھے اور اسی سویر میں جب کلاس روم میں اجالا بکھرتا تھا آج صفرِ کے متعلق ڈسکشن ہو رہی تھی۔ نہ ہونا کسی چیز کا اور پھر بھی اتنا معنی رکھنا۔۔۔

دیوی ستار لیے بیٹھی ہے ساغر جیسے آبنوسی لباس میں آنکھیں پِتا پر جمی ہیں جو راگ بولتے ہیں بوڑھے پوپلے منہ سے جیسے کوئی معصوم بچہ اور وہ ستار پر وہی تان چھیڑتی ہے۔

"زیرو عدد اور ہندسہ۔۔۔ قدیم وقتوں میں نہ یہ عدد کے طور پر استعمال ہوتا تھا نہ ہندسہ تھا۔" لیکچر شروع ہو چکا تھا جو صبح کی گئی ریاض میں گھل مل کر اس کی ذہن کی تاروں کو چھیڑتا تھا۔

"مصر میں گنتی کی بنیاد دس اعداد پر تھی۔ کسی احرام کی بنیاد کو اگر ظاہر کرنا ہوتا یا گنبد کی بنیاد کو

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

تو لائن کو تو دل اور ہوائی نالی کے ذریعے ظاہر کیا جاتا۔" انہوں نے سمبل بورڈ پر بناتے ہوئے سب کے گوش گزار کیا۔

"جس کا مطلب خوبصورت تھا۔ آئی مین بیوٹیفل۔۔۔گڈ۔

"بابل میں زیرو کو ظاہر کرنے کے لیے وہ خالی جگہ چھوڑ دی جاتی تھی۔"

اس نے لکھتے لکھتے سر اٹھایا عمر بھی نوٹس پر جھکا ہوا تھا

اسی پل اس نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اس کو کیسے خبر ہو جاتی ہے۔" اس کی طرف خیر مقدمی مسکراہٹ اچھال کر وہ واپس نوٹس پر جھک گئی۔

"بابل میں ساٹھ اعداد تھے۔۔۔ ہر نو والے عدد کے بعد وہ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ جو بھی گنتی ہوتی یعنی آج کے میتھمیٹکس کے حساب سے گیارہ، اکیس، اکتیس، اکتالیس، اکیاون تو ایک، دو، تین، چار، پانچ کو ساٹھ سے ضرب دیتے تا کہ دسواں نمبر حاصل کر سکیں مگر ہندسوں کا جو جواب نکلتا اس کے ساتھ سیاق وسباق بیان کرنا پڑتا کہ آیا یہ ایک ہندسہ ہے یا دس، بیس، تیس، چالیس، پچاس یا ساٹھ ہے۔"

تقریباً سبھی کے چہروں پر بیچارگی سی پھیل گئی تھی۔ پروفیسر مسکرائے۔

"جیسے اگر دو کو دو تیروں سے ظاہر کیا جاتا، تین کو تین اور نو کو نو مگر ساٹھ کو ایک سے۔ تو ایک ضرب ایک تیر یعنی دو تیر جو کہ دو کو بھی ظاہر کر رہے ہیں اور دس کو بھی تو ساتھ سیاق وسباق بیان کرنا پڑتا تھا۔"

"بیچارے۔" کسی کی آواز ابھری تھی۔

"کتنی مشکل زندگی تھی۔" قہقہے بلند ہوئے۔

"سر یہ ساٹھ سے ضرب کیوں دی جاتی تھی۔"

"ان کے مطابق ایک گھنٹے میں ساٹھ منٹ، ایک منٹ میں ساٹھ سیکنڈ ہیں اور ساٹھویں منٹ اور سیکنڈ میں سوئی دوبارہ وہیں پہنچتی ہے سو ایک سے ظاہر کیا جاتا تھا اس کو۔ان کی حد بس ساٹھ تھی۔"

ان چھٹیوں میں اس کے گھر والے یورپ کا ٹور کر رہے تھے سویٹزرلینڈ، اٹلی، ناروے مگر اس نے انکار کر دیا تھا وہ یہیں رہنا چاہتا تھا اور اس وقت گود میں پڑے موبائل میں بہن بھائیوں سے گالیوں کے میسج وصول کر رہا تھا۔ماں بھی چاہتی تھی ساتھ چلے اگرچہ نوکر چاکر کی گھر میں اتنی بہتات تھی کہ چھوڑ جانے میں کوئی تنگی نہیں تھی مگر وہ کیا کرتا وہ جو دائرہ تھا جس میں آج کل وہ چکر کھا رہا تھا جو کچھ نہیں تھا مگر سب کچھ تھا۔

"کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے سے پہلے قدیم امریکی اسے چار پتیوں والے پھول سے ظاہر کرتے تھے جس میں چار دائرے ایک دوسرے پر سے گزرتے پتیاں بناتے تھے۔" پروفیسر لیکچر جاری رکھتے ہوئے بولے جبکہ اب بہت سے طلبہ کا جمائی لینے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

"مایا نمبرز میں اسے کچھوے کے خول یا سیپ سے ظاہر کیا جاتا تھا مگر یہ کوئی ہندسہ یا عدد نہیں تھا جیسا کہ یونانی سوچتے تھے کوئی عدد یا ہندسہ کچھ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ نہیں ہے۔بطلیموس نے ہپارکس کے زیر اثر اس کو دائرے اور اوپر ایک بار سے ظاہر کیا تھا۔ رومی بھی کچھ نہ ہونے کو لnothing کے ذریعے ظاہر کرتے تھے۔ چین میں اسے او کی طرح دائرے سے کچھ نہ ہونے کے طور پر استعمال کرتے تھے ہندسے کے طور پر نہیں۔

پنگالا تیسری صدی قبل مسیح میں ہند کا قدیم عالم و ریاضی دان اس نے اسے استعمال کیا اس کو شونیا نام دیا جس کا مطلب خالی پن ہے۔"

اس نے پھر بے اختیار اس کی طرف دیکھا اس کی پین کی نب لکھتے لکھتے ٹوٹ گئی تھی اور انگلی کی

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پوریں نیلی روشنائی میں بھیگ گئی تھیں۔اس نے بال پوائنٹ نکال کر اس کی طرف اچھال دیا ڈیسک پر یکدم بال پوائنٹ ظاہر ہوا تھا وہ رد عمل کے طور پر یکدم پیچھے ہٹی پھر اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر آنکھیں نکالیں۔

کندن سے ملنے سے پہلے اس کے اندر ایک کٹر پسندی تھی مذہب کے لیے،ایک گریز تھا دوسرے فرقوں اور مذاہب کے لوگوں کے لیے، عقل کے تار تھے جو زنگ آلود تھے مگر اب مضراب نئے طریقے سے چھیڑا گیا تھا۔اس نے اسے خالی کر دیا تھا اور کائنات اسے نئے طریقے سے بھر رہی تھی۔لوگ سمجھ میں آنے لگے تھے اور کچھ کچھ زندگی بھی۔

اور زندگی ایک حکایت ہے جسے حکمت سے سمجھا جا سکتا ہے اور وہ حکمت صرف اور صرف تکلیف اور غم سے حاصل ہوتی ہے چاہے وہ کسی بھی روپ میں آئیں اوور وہ تمہارے پاس محبت اور قریبی رشتوں اور دوستوں کے روپ میں آتے ہیں سوانہیں

خوش آمدید کہو اور دل کے دروازے ان کے لیے کھول دو۔

"اس کو اعداد کے نظام میں جگہ دی ۔۔۔" پروفیسر کی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی تھی مگر ہوش کی دنیا میں لے آئی تھی۔

"آریہ بھٹ نے پانچویں صدی قبل مسیح اسے دسویں نمبر کے حصے کے طور پر استعمال کیا۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ ہر بار دسویں کے طور ہر آگے بڑھاتا ہوا۔ساتویں صدی میں برہما گپتا نے زیرو کی تعریف،اس کی تقسیم کا قانون منفی اعداد اور الجبرا اپنی کتاب میں تحریر کیا۔

خوارزمی نے ہند سے عرب میں اس عدد کو بطور صفر متعارف کروایا اور وہاں سے یہ ہند عرب کا اعداد کا نظام یورپ میں ہسپانوی مسلمانوں کے ذریعے داخل ہوا اور جدید ٹکنا لوجی کی بنیاد بنا۔ثنائی اعداد (صفر اور ایک) جو کہ آج کی دنیا میں انٹرنیٹ سگنلز، موبائل میسجز اور آوازیں، ریڈیو فیکس، پرنٹنگ ہر

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

چیز میں کام کر رہے ہیں ۔ان ہر دو اعداد کے کوڈ کو مشین دوبارہ ٹیکسٹ اور آواز میں بدل کر ہم تک پہنچاتی ہے۔ان ثنائی اعداد پر پنگالا نے تین سو سال قبل مسیح بحث کی۔"

اللہ اللہ کر کے لیکچر ختم ہوا تو سب نے فوراً باہر دوڑ لگائی تھی۔کچھ کا رخ کینٹین کی طرف تھا اور کچھ برآمدے میں ٹھہر گئے تھے۔باہر بارش ہو رہی تھی، سردیوں کی بارش اس صحرا کا خاصا سارا سال بادل کا نام ونشان نہیں ہوتا اور سردیوں میں روز بادل گھر آتے کبھی ہوتا کہ سردیوں کا زمانہ خشک گزرتا۔

"یہاں کی سردیوں کی بارشیں مجھے مون سون کی یاد دلاتی ہیں۔" وہ بھی برآمدے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

"اور یہاں کا صحرا؟"

"راجھستان کی۔" اس نے کوریڈور میں ستون سے ٹیک لگائے ہاتھ بارش میں پھیلا دیے۔اس کا ردھم سنو۔سا پا دے سارا۔۔۔یہ راگ جوگ ہے۔۔۔سنائی دیا؟"

"ہاں۔" وہ ہنس دیا۔

"اور میرے خوابوں میں قدیم محل اور قلعے ہیں، راہداریاں اور روزن اور مور اور ڈھیر سارا نیلا رنگ سبز رنگ میں گھلتا ہوا۔یہ سب تمہاری دنیا سے بہت مختلف ہے"

"تم سے میرا کوئی پرانا رشتہ ہے۔۔۔"

اس پل کندن نے اس کی آنکھوں میں ٹوٹتی بنتی لہریں، ڈبکیاں لگاتے پرندے اور چاند کا عکس دیکھا تھا۔



درخت کی شاخ سونا ہو گئی

https://paksociety.com https://paksociety.com

میرے محبوب نے جب اسے چھوا

اس کے ہجر میں یہ شاخ

مرجھا جاتی ہے

کئی بار غوطہ خوری کے بعد کپتان نے دوسری جگہ جانے کا اعلان کیا تھا اب چپو چلا کر جہاز کو دوسری طرف موڑا جا رہا تھا ڈھول کی تھاپ پر سمندروں کے گیت ہواؤں میں گھل رہے تھے سعد نے ایک نظر بیکراں سمندر پر ڈالی اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا دوسری جگہ سے بھی صدف نکالے گئے رات کے ڈھلتے ڈھلتے جو آخری غوطہ خور موتی نکالتا رہا وہ سعد الکندری تھا۔چاند کے بلند ہوتے ہی کھانا کھول دیا گیا تھا سامنے چاول تھے مچھلی تھی۔آج مچھلی کا شکار بھی خوب ہوا تھا ورنہ کئی کئی دن ایسے بھی ہوتے جس دن کوئی مچھلی ہاتھ نہ آتی اس دن سیپ سے نکلا کا گوشت کھانا ہوتا تھا۔ مگر اسے یہ اشتہا آمیز کھانا دن بھر کی سخت مشقت کے باوجود حلق سے اتارنا مشکل لگ رہا تھا۔کوسی

رات کی تاریکی میں چاند کی ایک دودھیا لکیر جو پانی میں بنتی تھی کشتی کے بادبان پھڑ پھڑاتے تھے۔گویا تھک کر خاموش ہو چکا تھا یہ اس کے گیت تھے جو ان کے بدن میں زندگی کا ارتعاش قائم رکھتے تھے ،سب لوگ لیٹے آسمان کو تکتے تھے اس نے دیکھا فیصل کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر کشتی کی لکڑی کو گیلا کرتے تھے سعد نے کروٹ بدل لی۔ نیند کا پرندہ تو اب عرصہ دراز سے اس کی آنکھوں سے گھونسلہ سمیٹ کر جا چکا تھا وہ دھیمے دھیمے گنگنانے لگا تو دستے میں شامل اسکا ساتھی بھی ساتھ آکر لیٹ گیا۔

یہ جنگ موت سے اور ہر عنصر سے ہے

مسکراتے ہوئے

آہ! میں نے کیا کیا سہا ہے سفر میں

مہینے پر مہینے گزرتے ہیں

اور میری آنکھیں بوڑھی ہوتی جاتی ہیں

اور یہ غنی کتنے خوش قسمت ہیں

انہیں سمندر پار نہیں کرنا

جیسا کہ مجھے

اگر میں بھی امیر اور تاجر ہوتا

تو مجھے بھی یہ سب برداشت نہ کرنا پڑتا

لیکن میں کمزور ہوں اور میرے پاس بس ایک یہ چھڑی ہے

پتا نہیں کتنی رات بیت چکی تھی۔۔۔ کتنی باقی تھی۔ ہوا کی تھپکیوں سے اس کا ساتھی کب کا سو چکا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑے آسمان پر چمکتے بے حد و حساب ستاروں کو دیکھ رہا تھا وہ پانچ ستارے جو ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے اس کے محرم راز۔ وہ خواب کا دھواں تھا جو اس کی آنکھوں میں بھر گیا تھا، وہ پریم کتھا تھی جو وہ جی آیا تھا سوریا پور میں ابھی زیادہ دن تو نہیں گزرے تھے وہ اس خوشبو خوشبو ہوتی سرزمین پر تھا۔

وہ صحرائے عرب کا باسی تھا وہاں کی ریت اس کی سانس تھی۔ نہ سورج کی حدت سے صحرا کا پگھلتا لاوا اسے تنگ کرتا تھا نہ جاڑے کی راتوں میں ٹھنڈا خنک بھاری چاند۔ وہ عادی تھا سخت موسم کا، اس وحشی جگہ کا، کانٹے دار پودوں کا بچھو، اور گوہ کا، سانپوں اور اونٹوں کا۔ ان سرزمینوں پر کبھی بہت پہلے آبادی رہی تھی۔

آٹھ ہزار سال قبل مسیح یہاں لوگ آباد تھے۔ یہ پتھر کے دور کی بات ہے جب یہاں دجلہ و فرات کی زمینوں کے باسی اور مشرقی عرب کے لوگ آباد بھی ہوئے اور تجارت کی غرض سے ملا بھی کرتے تھے۔۔ اٹھارہ سو سال قبل مسیح میں یہ تہذیب سندھ تک جانے کا تجارتی راستہ تھا

بطلیموس کے جغرافیے میں بھی اس جگہ کا ذکر ملتا ہے۔ بابل کے باسی، یونانی اور پھر رومیوں کے

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

زیر اثر یہ علاقہ رہا تھا۔

سعد الکندری اس پتھر کے دور کے ایک انسان کی کہانی سنتے بڑا ہوا تھا جس نے سات ہزار سال پہلے یہاں پہلا موتی نکالا تھا۔



باقی آئندہ

اس قسط پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com